نقد و سنجش

نقد و سنجش

ڈاکٹر طلحہ رضوی برق
(ریڈر، صدر شعبۂ اردو و فارسی)

ایچ ڈی جین کالج، آرہ
(مگدھ یونیورسٹی)

"نقد و بخشش" کی اشاعت بہار اردو اکادمی، پٹنہ کے مالی تعاون کی مرہون ہے

اشاعتِ اوّل: ۱۹۸۲ء

تعداد: ۱۰۰۰

کتابت: امیر حسن رضوی

طباعت: دی آرٹ پریس، سلطان گنج، پٹنہ ۶

ناشر: دانش اکیڈمی، آرہ

ملنے کے پتے:

۱- دانش کدہ، ملکی محلہ، آرہ

۲- بُک امپوریم، سبزی باغ، پٹنہ

۳- کتاب منزل، سبزی باغ، پٹنہ

انتساب

همسرِ غمگسار

و

فرزندانِ خوش اطوار

کے

نام

مارا حدیثِ ہمدم و گلبانگِ کو دکاں
زآہنگِ چنگ و مُطربِ خوشگوی خوشتر است

شبنمِ بی دست و پا را گر نہ باشد جذبہ‌ای

کی بگیرد دامنِ خورشیدِ عالمتاب را

ترتیب

مصنّف کی مطبوعہ و تشنۂ طبع کتابیں

مطبوعہ:

۱۔ اردو کی نعتیہ شاعری (تحقیقی مقالہ) انعام یافتہ بہار اردو اکادمی ۱۹۷۳ء

۲۔ غور و فکر (تنقیدی مضامین کا پہلا مجموعہ) انعام یافتہ بہار اردو اکادمی ۱۹۷۶ء

۳۔ نقد و نگارش۔ ۱۹۸۲ء

۴۔ گلستانِ سخن محمودہ (مرتبہ مع مقدمہ) بی بی محمودہ خاتون پھلواری کا نعتیہ دیوان ۱۹۵۵ء

۵۔ تجلیاتِ قتیل (مرتبہ مع مقدمہ) علامہ قتیل داناپوری کا اردو دیوان ۱۹۶۷ء

تشنۂ طبع:

۶۔ شائیگاں (مجموعۂ کلام)

۷۔ شاہ اکبر داناپوری، حیات اور شاعری تحقیقی مقالہ
(جس پر پٹنہ یونیورسٹی نے پی ایچ۔ ڈی۔ کی ڈگری دی)

۸۔ تذکرۂ شعرائے داناپور (داناپور کے ۸۵ شعرائے ماضی و حال کا تذکرہ)

۹۔ آئینۂ تصوف (تصوف پر ایک بصیرت افروز تحقیقی مقالہ)

۱۰۔ عرفانی سخن سرای بہار (فارسی مقالۂ تحقیقی)
(جس پر پٹنہ یونیورسٹی نے ڈی۔ لٹ۔ کی ڈگری تفویض کی)

۱۱۔ رُخِ بے نظیر۔ مرتبہ مع مقدمہ (علامہ قتیل داناپوری کا تیسرا فارسی دیوان)

مولانا سیّد سلیمان اشرف بہاری ؒ

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

صوبہ بہار کی خاکِ مردم خیز سے اُٹھنے والی چند گراں مایہ علمی شخصیتوں میں حضرت مولانا سیّد سلیمان اشرف بہاری رح کا نام نامی بہت ہی ممتاز اور نمایاں انفرادیت کا حامل ہے۔ آپ کے والد ماجد حکیم سیّد عبداللہ موضع ڈمراتواں، تھانہ استھانواں، ضلع نالندہ (بہار) کے رہنے والے تھے۔ حکیم سیّد عبداللہ کی دوسری شادی محلہ میرداد، بہار شریف میں ہوئی، اور وہ یہیں کے ہو کر رہ گئے، طبابت کا شغل بھی یہیں جاری رکھا۔ اس دوسری شادی سے ان کے دو صاحبزادے پیدا ہوئے، سیّد انیس اشرف اور سیّد سلیمان اشرف، آپ کا سلسلۂ آبائی حضرت شیخ عبدالقادر گیلانی رح سے ملتا ہے اور نسبِ مادری حضرت مخدوم سیّد اشرف جہانگیر سمنانی رح تک پہنچتا ہے۔ اسی نسبتِ مادری سے دونوں بھائیوں کے نام کا جزو اشرف قرار پایا۔ سیّد سلیمان اشرف ابھی صرف سات سال کے تھے کہ ان کے والد حکیم سیّد عبداللہ صاحب نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ سیّد سلیمان اشرف تقریباً ۱۸۸۳ء میں اپنی نانیہال محلہ میرداد، بہار شریف میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر اور مکتب میں ہوئی۔ والد کے انتقال کے بعد مخلصوں نے انگریزی تعلیم کا مشورہ دیا اور میرداد کے نواب سیّد نصیرالدین صاحب کے ایما پر انہوں نے بہار شریف ہائی اسکول میں داخلہ لیا، جو آج نالندہ کالج کی شکل میں موجود و مشہور ہے۔

سیّد سلیمان اشرف اپنی فطری ذہانت و فطانت کی وجہ سے اپنے درجہ میں اوّل آئے۔ جس وقت وہ دوسرے درجہ میں تھے، عربی نہیں پڑھی تھی مگر فارسی بہت اچھی جانتے تھے۔ ان کے ایک ہم سبق شاہ علی سجّاد "محل پور" کے رئیس زادے تھے اور عربی پڑھے ہوئے تھے۔ کسی عربی لفظ کے غلط استعمال پر سلیمان اشرف صاحب نے انھیں ٹوک دیا جس پر وہ برافروختہ ہوگئے اور انھیں عربی نہ جاننے کا طعنہ دیا۔ سیّد سلیمان اشرف پر اس کا بہت اثر ہوا انھوں نے کلاس چھوڑ دیا اور محلہ انبیر کے مولانا نور محمد صاحب کے پاس گئے جو اپنے وقت کے ایک درویش بزرگ، سجّادہ نشیں اور حافظ و قاری تھے، اُن ہی سے عربی پڑھنی شروع کی، چودہ برس کی عمر میں اُن ہی کے دستِ حق پرست پر سلسلۂ چشتیہ نظامیہ فخریہ میں بیعت بھی ہوئے۔ شیخ کے انتقال کے بعد انھیں مزید تعلیم کی فکر دامن گیر ہوئی اور تکمیلِ علم کے لئے باہر جانے کا ارادہ کیا مگر مالی کمزوری سدِّ راہ ہوئی۔ سیّد صاحب نے نواب نصیر الدّین کے بڑے بھائی مولوی امیر الدّین صاحب سے اپنے ارادے کا ذکر کیا اور آٹھ روپے بطور قرض طلب کئے۔ مولوی صاحب موصوف نے انھیں یہ کہہ کر رقم دی کہ اسے قرض ہرگز نہ سمجھئے گا اور بہت حوصلہ افزائی کی۔ اس کے بعد سیّد صاحب کانپور کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ کانپور میں اس وقت مولوی احمد حسن صاحب کا مدرسہ بہت فروغ پر تھا، وہاں جاکر اُن سے ملاقات کی اور تبادلۂ خیال کیا۔ مولوی صاحب پہلے حدیث کا درس دینا چاہتے تھے اور سیّد صاحب پہلے منطق پڑھنی چاہتے تھے۔ اس اختلافِ رائے کے سبب وہ مایوس ہوکر جون پور چلے گئے۔

جون پور میں سیّد سلیمان اشرف بحر العلوم مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب سے ملے، انھوں نے سیّد صاحب کو آلِ رسولؐ جان کر ان کی بڑی قدر کی اور انھیں تعلیم دینے پر راضی ہوگئے۔ سیّد صاحب نے اپنی افتادِ طبع کے تحت تین شرطیں پیش کیں، پہلی یہ کہ وہ دورانِ تعلیم ہر ماہ ایک بار اپنی والدہ ماجدہ سے ملنے بہار شریف جایا کریں گے، دوسری یہ کہ وہ جو کتاب پڑھنا چاہیں گے وہی پڑھیں گے اور تیسری یہ کہ وہ جس وقت پڑھنا چاہیں گے اسی وقت

پڑھیں گے۔ مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب نے سید صاحب کی لیاقت طبع دیکھ کر یہ تینوں شرطیں منظور کر لیں، اس طرح سید سلیمان اشرف صاحب نے وہیں رہ کر مولانا سے تکمیلِ علوم کیا، تحریر و تقریر میں بے پناہ صلاحیت پیدا کی اور اپنے استاد نیز اہلِ دیارِ بہار کے لئے باعثِ فخر ہوئے۔ سید صاحب کو بھی اپنے استادِ مکرم سے والہانہ عقیدت تھی۔ بقول سید سلیمان ندوی:

"مولانا سید سلیمان اشرف صاحب مرحوم کو حقیقت یہ ہے کہ اپنے استاد کے ساتھ عقیدت ہی نہیں بلکہ عشق تھا، ان کے حالات جب کبھی وہ سناتے تو ان کے طرزِ بیان اور گفتار کی ہر ادا سے ان کی والہانہ عقیدت تراوش کرتی تھی"

اور استاد کو اپنے لائق و فائق شاگرد پر جو ناز اور فخر تھا اس کا حال پروفیسر رشید احمد صدیقی کے اس بیان میں ملاحظہ فرمایئے:

"تیس سال سے زیادہ کا زمانہ گذرا، جون پور میں سیرتِ رسول کی تقریب میں مرحوم کی تقریر ہو رہی تھی، زبردست اجتماع تھا، مرحوم اپنے مخصوص والہانہ جوش و وارفتگی کے ساتھ تقریر کر رہے تھے، حاضرین کی خاموشی کا یہ عالم تھا کہ جیسے سارا مجمع ایک ہی متنفس ہو! اتنے میں دور سے ایک بوڑھا پستہ قد، نحیف شخص جھکا ہوا، انبوہ کو چیرتا ہوا بڑھتا نظر آیا۔ جس شخص کے پاس سے گذرتا وہ خوف و عقیدت سے سمٹ کر تعظیم دیتا۔ دیکھتے دیکھتے پلیٹ فارم پر پہنچ گیا، مرحوم کو سینہ سے لگا کر پیشانی کا بوسہ دیا اور واپس چلا گیا۔ یہ مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب جون پوری مرحوم کے استاد اور جون پور میں اس وقت علم و فضل کے چشم و چراغ تھے"۔

(گنجہائے گراں مایہ، ص ۱۶۹)

اور یہ مرحوم تھے مولانا سید سلیمان اشرف بہاری مرحوم۔ مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب نے انتقال (ستمبر ۱۹۰۸ء) سے قبل سید صاحب کو کچھ نصیحتیں کی تھیں اور یہ پیش گوئی بھی کی کہ تمہاری قسمت علی گڑھ سے وابستہ ہے۔

مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب کے وصال کے بعد اہل جون پور نے اصرار کیا کہ درس و تدریس کا کام مولانا مرحوم کی جگہ سید صاحب ہی انجام دیتے رہیں، لہذا چھ ماہ تک اکیسو روپے ماہوار تنخواہ پر، جو مولانا مرحوم کے لئے مقرر تھی، سید صاحب بھی مدرسہ جون پور میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔

مولانا سید سلیمان اشرف کے ایک دوست مولوی جواد علی صاحب نے ان کی طرف سے علی گڑھ کالج میں دینیات کے لکچرار شپ کے لئے درخواست دے دی، لہذا آپ بحیثیت لکچرار دینیات، ایم۔ او۔ کالج علی گڑھ میں ۱۹۰۸ء میں بحال ہوگئے۔ اس تقرری کے سلسلہ کا یہ دلچسپ واقعہ مولانا مرحوم کے متبنّیٰ و عزیز سید منیر الدین صاحب ریٹائرڈ جج سے مروی ہے کہ بوقت تقرری بورڈ کے ایک اہم رکن نواب مزمّل اللہ خاں صاحب رئیس بھیکم پور موجود نہیں تھے، جب وہ آئے تو انھیں اس تقرری سے اختلاف ہوا۔ کالج کے سکریٹری اس وقت نواب وقار الملک تھے اور تقرری ان کے ہی دستخط سے ہوئی تھی، لہذا انھیں تشویش ہوئی، کہ اب اسے رد کیسے کیا جائے۔ نواب صاحب نے یہ شرط رکھ دی کہ اگر مولانا حسین احمد مدنی جو ان دنوں وقار الملک کے مہمان تھے، سید صاحب کا زبانی امتحان لے کر پاس کر دیں گے تو تقرری بحال سمجھی جائے گی۔

چنانچہ نواب مزمل اللہ خاں صاحب کے دولت کدہ پر ایک جلسۂ سیرت النبیؐ منعقد کرنا طے کیا گیا، جہاں سید صاحب کو تقریر کرنی تھی۔ سید صاحب نے منظور کر لیا۔ سید صاحب نواب بھیکم پور جناب مزمّل اللہ خاں صاحب کے یہاں تشریف لے گئے۔ دستر خوان چنا گیا۔ مگر سید صاحب کو یہ دیکھ کر سخت صدمہ ہوا کہ مختلف طبقے کے لوگوں کے لئے مختلف کھانے کا

انتظام ہے۔ انھوں نے اس اندازِ ضیافت کو خلافِ شریعت کہہ کر افسوس کا اظہار کیا جسے نواب موصوف نے اپنی توہین سمجھی۔ سید صاحب وہاں سے بغیر کھانا کھائے اٹھے اور سیدھے اپنے گہرے دوست نواب صدر یار جنگ کے گھر چلے آئے۔ صدر یار جنگ کو جب حالات کا علم ہوا تو وہ متحیر رہ گئے کیونکہ وہ سید صاحب کی تقرری میں دلچسپی لے رہے تھے، اب آپ ان کی بحالی کی طرف سے مشکوک ہو گئے، مگر مولانا اشرف کو اس کی پرواہ کب تھی۔

بہرحال دوسرے دن صبح کے نو بجے حسب پروگرام جلسۂ سیرۃ النبیؐ منعقد ہوا اور سید سلیمان اشرف مسلسل کئی گھنٹے کی تقریر دل پذیر سے اپنی ذہانت و ذکاوت اور تبحر علمی کا ثبوت پیش کرتے رہے۔ کثیر مجمع دم بخود تھا۔ مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی نے سید صاحب کو پہلے ہی مطلع کر دیا تھا کہ مولانا حسین احمد مدنی سلام و قیام کے قائل نہیں ہیں، لہٰذا مولانا سید سلیمان اشرف نے دورانِ تقریر اسی مسئلہ پر بڑی وضاحت سے مدلل روشنی ڈالی اور ایسی علمی بحث فرمائی، کہ قیام کے وقت صلوٰۃ و سلام کے لئے اٹھنے والوں میں سب سے پہلے مولانا حسین احمد مدنی ہی اٹھے اور سارے مجمع نے جھوم جھوم کر سلام پڑھا۔ جب سید صاحب منبر سے اتر کر آنے لگے تو مولانا مدنی نے انھیں گلے سے لگا کر ان کی علمی استعداد کی داد دی اور بولے، "میں جانتا تھا کہ مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب کے یہاں صرف منطق و فلسفہ کی تعلیم دی جاتی ہے، مگر آج معلوم ہوا کہ وہ قرآن و حدیث میں بھی بہت ہی دقیقہ رس تھے، اس وقت میں قیام کا قائل ہو گیا"۔ سید صاحب کے مزاج میں عجیب بے لوثی، بے پروائی اور کھرا پن تھا۔ جب نواب مزمل اللہ خاں صاحب نے سید صاحب سے فرمایا کہ مولانا مدنی کی داد کا شکریہ ادا کیجئے تو انھوں نے برجستہ فرمایا کہ داد مجھے براہِ راست بارگاہِ رسالتؐ سے ملتی ہے۔ اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا سید سلیمان اشرف علم کے کس بلند درجے پر فائز تھے۔ غرض اس واقعہ کے بعد سید صاحب کی تقرری بحال رہی۔ اس وقت آپ کی عمر تقریباً پچیس سال کی تھی۔ تیس برسوں تک مولانا مرحوم علی گڑھ کالج میں بحیثیت پروفیسر دینیات اپنے فرائض کامیابی

کے ساتھ انجام دیتے رہے۔

مولانا کی اس تقریری کا ایک اور واقعہ حافظ غلام غوث صاحب نبیرۂ مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب جون پوری کے ایک مضمون سے اپنے مقالہ مطبوعہ اشرفیہ مبارکپور اکتوبر ۱۹۸۰ء میں جناب نور محمد قادری صاحب یوں نقل کرتے ہیں :

"ایم۔اے۔او کالج علی گڑھ میں دینیات کے لکچرار کی ضرورت تھی۔ مولانا کو اطلاع دی گئی اور انٹرویو میں معجزہ پر مقالہ لکھنے کی فرمایش کی گئی اور ساتھ ہی کہا گیا کہ کتابوں کی ضرورت ہو، تو حبیب گنج تشریف لے جائیں۔ مولانا نے فرمایا، بحمداللہ مجھے کتابوں کی ضرورت نہیں ہے، صرف کاغذ اور قلم دوات مہیا کر دیا جائے چنانچہ نماز عشاء کے بعد سے صبح کی نماز تک ایک ہی مجلس میں ۲۲ فل اسکیپ صفحات پر مدلل مضمون قلمبند کر دیا جسے بہت پسند کیا گیا۔ پھر نماز جمعہ کے بعد "توحید" پر خطاب کرنے کو کہا گیا تو آپ نے تین گھنٹے تک اس موضوع پر تقریر فرمائی جسے سن کر پرستاران توحید جھوم گئے اور مولانا حبیب الرحمٰن شروانی بھی موجود تھے، اسی دن پچاس روپیہ مشاہرہ پر آپ کا تقرر کر دیا گیا۔"

مولانا سلیمان اشرف مرحوم کی لفظی تصویر خواجہ حسن نظامی اور رشید احمد صدیقی نے ان الفاظ میں کھینچی ہے :

"گورا رنگ، مضبوط جسم، گنجان ڈاڑھی، تیز و چمکدار آنکھیں، عمر پچاس کے قریب...... تقریر ایسی تیز و مسلسل کرتے ہیں، جیسے ای۔آئی۔آر۔ کی ڈاک گاڑی۔ دوران تقریر میں صرف درود شریف پڑھنے کے لئے تھوڑی دیر میں توقف ہوتا ہے، ورنہ یہ معلوم ہوتا ہے

کہ ہمالیہ کی چوٹی سے گنگا کی دھارا نکلی ہے جو ہر دوار تک کہیں رُکنے اور ٹھہرنے کا نام نہیں لے گی۔ بیان کی ایسی روانی آج کل ہندوستان کے کسی عالم میں نہیں ہے۔ تقریر میں محض الفاظ ہی نہیں ہوتے بلکہ ہر فقرے میں دلیل اور علمیت کا اندازہ ہوتا ہے ۔

(بحوالہ اشرفیہ مبارک پور، اکتوبر ۱۹۸۰ء)

پروفیسر رشید احمد صدیقی کا قلم یوں جولاں ہے :

" قد میانہ، رنگ صاف، جلد روشن، اعضا ہلکے، نقش نرم و نازک، آنکھیں چھوٹی، جن میں جذبات کا اتار چڑھاؤ جھلکتا رہتا، نظر تیز اور پُر اعتماد، انداز میں بانکپن، انگلیاں ایسی جن میں قلم، شمشیر و رباب سب ہی زیب دیں۔ آواز میں کڑک اور لچک، خطابت پر آتے تو معلوم ہوتا صفیں اُلٹ دیں گے ...... قرأت شروع کی تو یہ معلوم ہوتا تھا جیسے خالد کی تلوار میدانِ جہاد میں کوندتی، کڑکتی، لچکتی، کاٹتی، سٹتی، تیرتی، ابھرتی آگے بڑھتی چلی جارہی ہے "۔

(گنجہائے گراں مایہ صفحہ ۳۰ و ۳۱)

مولانا کے مزاج میں خودداری کوٹ کوٹ کر بھری تھی، ایک جبروت وطنطنہ اور وقار تھا جو صرف علم کی دین ہے۔ دنیا سازی انہیں چھو بھی نہیں گئی تھی، طبیعت نفاست پسند اور پاکیزہ تھی، خوش ذائقہ کھانوں اور عمدہ قیمتی کپڑوں کا بہت شوق تھا۔ اسلاف کی خوش وضعی کے امین تھے، بے اصولی اور بے قلندری انھیں کبیدہ خاطر کردیتی تھی۔ وہ اپنے مذہب و عقائد کا برملا اعلان واظہار فرماتے تھے۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی مولانا کی طبیعت کی نرمی و شائستگی اور مزاج کی تندی و درشتی کو " عجم کے حسن طبیعت عرب کے سوز دروں " سے تعبیر کرتے ہیں، حالاں کہ حقیقۃً وہ اقبال کے اس شعر ؎

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

کی تفسیر تھے۔

۱۹۲۴ء میں مولانا کی عمر لگ بھگ چالیس سال کی رہی ہوگی جب انھوں نے اپنی والدہ کے حکم کی تعمیل میں جناب سید عبدالقادر صاحب ساکن موضع کاکو ضلع گیا کی صاحبزادی سے شادی کی۔ ۱۹۲۸ء میں والدہ اور اہلیہ کو ساتھ لے کر حج بیت اللہ شریف کو گئے۔ سفر حج سے ان کی بیوی بعارضۂ پیچش علیل واپس آئیں اور اسی سال ان کا انتقال ہوگیا، پھر مولانا اشرف نے دوسری شادی نہیں کی اور لاولد رہے۔ بیوی کے انتقال کے بعد سید صاحب نے اپنے بچپن کے دوست اور رشتے کے بھائی مولوی سید سعید الدین سے کہا کہ اپنے بیٹے منیر الدین کو مجھے دے دو۔ چنانچہ جب سید منیر الدین نے ۱۹۲۹ء میں میٹرک کا امتحان پاس کر لیا تو انھیں اپنے ساتھ علی گڑھ لے گئے اور اعلیٰ تعلیم و تربیت کا پورا انتظام کیا۔ قانون کی ڈگری بھی حاصل کروائی، اسی درمیان اپنی کل جائیداد کا وارث سید منیر الدین کو ہی قرار دیا اور غیر منقولہ جائیداد ان کے نام لکھ دی۔ سید صاحب مرحوم کی یادگار "اشرف منزل" محلہ میرداد، بہار شریف میں آج بھی آباد ہے اور سید منیر الدین صاحب ریٹائرڈ جج بفضلہٖ تعالیٰ بقید حیات ہیں۔

مولانا کے بڑے بھائی سید انیس اشرف، پولیس انسپکٹر تھے مگر کسی حادثے کے بعد ان کا ذہنی توازن برقرار نہ رہ سکا اور تاعمر وہ بالکل خموش عدم توازنِ ذہنی کا شکار رہے۔ مولانا کو اپنے بڑے بھائی سے بے انتہا محبت تھی، ہمیشہ انھیں اپنے ہی ساتھ رکھا اور ہر طرح ان کی دلجوئی و نازبرداری کرتے رہے۔

مولانا سید سلیمان اشرف حنفی المذہب، سُنّی اور اپنے عقائد میں بہت ہی سخت تھے۔ انھیں حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب فاضل بریلویؒ سے ایک خاص لگاؤ اور گہری

عقیدت ومحبت تھی، مسلکاً دونوں ہم خیال وہم عقیدہ تھے۔ تحریر وتقریر ہو یا علمی بحث
ومباحثہ وہ سب پر حاوی رہتے اور مباحثوں وہ سب پر حاوی رہتے اور مناظروں تک
اپنی بے مثال طباعی وبے نظیر جودتِ فکر سے حریف کو ٹکنے نہیں دیتے انھیں مولانا احمد رضا خاں
صاحب قدس سرہٗ العزیز سے شرفِ خلافت بھی حاصل تھا، وہ اکثر وبیشتر بریلی شریف
تشریف لے جایا کرتے اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی صحبت میں فیضانِ علمی کا مشاہدہ
فرماتے۔ یہی سبب تھا کہ جب ہندوستان کے بلند پایہ ماہرِ ریاضیات ڈاکٹر سر ضیاء الدین
وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ مسئلہ ریاضی کے کسی اشکال کو دور کرنے جرمنی جانے والے تھے،
تو انھیں استاذ العلماء سید سلیمان اشرف نے تین بار یہی مشورہ دیا کہ بریلی شریف جاکر حضرت
فاضل بریلوی سے اس مسئلہ کا حل حاصل کرلیں، یہاں تک کہ سر ضیاء الدین مولانا کے
ساتھ مارہرہ شریف گئے اور وہاں سے پیرزادہ سید مہدی حسن میاں صاحب سجادہ نشین کی
معیت میں بریلی شریف اعلیٰ حضرت کی خدمت میں باریاب ہوئے، دریافتِ حال پر
ڈاکٹر سر ضیاء الدین نے بتایا کہ میں ریاضی کا ایک مشکل مسئلہ حل کرنے حاضر ہوا ہوں۔ حضرت
فاضل بریلوی نے فرمایا، پوچھیے! ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ وہ ایسی بات نہیں جسے اتنی جلدی
عرض کردوں۔ فاضل بریلوی نے کہا آخر کچھ تو فرمایئے! غرض ڈاکٹر صاحب نے سوال پیش
کردیا۔ فاضل بریلوی نے سنتے ہی فرمایا کہ اس کا جواب یہ ہے۔ تشفی بخش جواب سنتے ہی ڈاکٹر
سر ضیاء الدین کو سخت حیرت ہوئی۔ گویا آنکھ کا پردہ اٹھ گیا اور بے اختیار بول اٹھے "میں
سنا کرتا تھا کہ علم لدنی بھی کوئی چیز ہے آج آنکھوں سے دیکھ لیا۔ میں تو اس مسئلہ کے حل کے لئے
جرمنی جارہا تھا لیکن ہمارے پروفیسر صاحب مولانا سید سلیمان اشرف نے میری رہبری فرمائی۔"
کہتے ہیں کہ ڈاکٹر ضیاء الدین پر اعلیٰ حضرت بریلوی کی علمی جلالت اور اعلیٰ اخلاق کا ایسا اثر
ہوا کہ علی گڑھ آتے ہی انھوں نے داڑھی رکھ لی اور صوم وصلوٰۃ کے پابند ہوگئے۔
انتقال کے وقت حضرت مولانا سید سلیمان اشرف بہاری کی عمر تقریباً ستاون

بہار میں دستکیں اور ۲۱ر اپریل ۱۹۳۹ء مطابق ۵ر ربیع الاول شریف ۱۳۵۸ھ کو بروز چہارشنبہ علی گڑھ میں ہی انتقال فرمایا اور وہیں شیروانیوں کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ لوحِ مزار پر آج بھی یہ نقش کندہ ہے:

"مولانا سید سلیمان اشرف بہاری نظامی فخری، پروفیسر شعبۂ دینیات، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

تاریخ رحلت ۵ر ربیع الاول ۱۳۵۸ھ، چہارشنبہ

سلیمان اشرف سرِ اہلِ تقویٰ — بہ علم و عمل والۂ دینِ اشرف

چو نفسش شنید آیۂ ارجعی را — بہ جنت شد از قربتِ حق مشرف

سنِ فوتش از دلِ پاک حسرت نوشتہ — بہ جنات عدن سلیمان اشرف"

۱۳۵۸ھ

علمی شہپارے جو مولانائے مرحوم کے قلم سے وجود میں آئے حسبِ ذیل ہیں:

(۱) المبیہ (۲) السبیل (۳) الخطاب (۴) الاشہار (۵) المبین (۶) الحج (۷) النور

تو کودکی بہ بزرگاں زباں درازی بس

بقصدِ شیر دلاں قصدِ شاہبازی بس